کے کوئی عامل بھی حضرت عمرؓ کے باز پرس سے محفوظ نہ رہا۔(حمید الدین: تاریخ اسلام (فیروز سنز۔۱۹۵۲ء۔لاہور) ص ۱۱۸)۔
حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا تھا جب وہ وہاں سے آئے تو سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار خود اپنا مال بھی ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب طلبی کے بعد ان کا مال ضبط کر لیا۔(ابو عبید: کتاب الاموال (قاہرہ۔۱۳۹۵ھ) ص ۳۴۲۔۳۴۳)
اسی طرح آپؓ نے حضرت عمرو بن العاص اور سعد بن ابی وقاص کا آدھا مال بھی ضبط کر لیا۔
(ابن عبدالحکم: فتوح مصر، ص ۱۴۸، کتاب الاموال: ص ۳۴۲)
حضرت عمرؓ نے عتبہ بن ابی سفیان کو کنانہ کا عامل مقرر کیا تھا جب واپس آئے تو ذاتی مال بھی ساتھ لائے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے تجارت کی ہے حضرت عمرؓ نے ان کا سارا مال بیت المال میں داخل کر لیا۔(الطبری: تاریخ ا، ص ۲۷۶۶)
لہٰذا معلوم ہوا کہ بیت المال کا مال اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی کو اس پر مالکانہ تصرف حاصل نہیں اور مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔(مودودی: معاشیات اسلام (لاہور، ۱۹۸۲ء) ص ۳۹۱)

بیت المال سے متعلق چند اہم مراجع :

نمبر شمار	نام کتاب عربی کتب	مؤلف	مکان و تاریخ طبع
۱	الأحكام السلطانيه والولايات الدينية	ابو الحسن الماوردى	مصطفیٰ البابی۔القاہرہ۔۱۳۴۸ھ
۲	الأحكام السلطانيه والولايات الدينية	قاضى ابو العيلى	مصر
۳	السياسة الشرعية	تقى الدين ابن تيمية	دار الفکر۔بیروت۔۱۳۷۸ھ
۴	السياسة الشرعية	عبدالوهاب خلاف	مطبع سلفیہ۔قاہرہ۔۱۳۵۰ھ
۵	الطرق الحكمية فى الساست الشرعية	شمس الدين ابن قيم الجوزية	مصر۔۱۳۱۷ھ
۶	كتاب الأموال	ابو عبيد القاسم بن سلام	المکتبۃ التجاریۃ۔القاہرہ۔۱۳۵۳ھ
۷	كتاب الخراج	قاضى ابو يوسف	مطبع سلفیہ۔قاہرہ۔۳۵۲ھ
۸	كتاب الخراج	يحىٰ بن آدم القرشى	القاہرہ
	اردو کتب ومقالات		
۹	اسلام کانظام بیت المال	مولانا محمد بخش مسلم	مکتبہ خاور۔لاہور۔۱۹۷۲ء
۱۰	اسلام کا نظام مالیات	ڈاکٹر نورمحمد غفاری	مکتبہ نعمانیہ۔ڈیرہ اسماعیل خان
۱۱	اسلام کا نظریہ ملکیت جلد i-ii	ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی	اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۹ء
۱۲	اسلامی ریاست کامالیاتی نظام	رفیع اللہ شہاب	اسلام آباد۔۱۹۷۳ء
۱۳	اسلام میں بیت المال کی تاریخ مقالہ ایم اے اسلامیات جامعہ پنجاب. ۱۹۷۰ء	شهناز انور	شعبۂ اسلامیات۔نمبر لائبریز ۱۹۷۰/۶

۱۴ اسلامی بیت المال کادائرہ کار مقالہ ناصرہ پروین ایضاً نمبر۱۹۶۵/۳۰
ایم.اے اسلامیات ۱۹۶۵ء

وصلی اللہ علی النبی و آلہٖ وسلم o

فقہی اجتماع کاانعقاد

مجلس التحقیق الفقہی کے اجلاس آئندہ فقہی اجتماع کے انعقاد پر غور وخوض کیا گیا!

موجودہ حالات کے پیش نظر فقہی اجتماع کومصلحتاً مؤخر کر دیا گیا۔

فی الحال مجلس کے اراکین نے یہ قرارداد منظور کی کہ اہل علم وتحقیق حضرات کودعوت دی جائے کہ اپنی تجاویز ورائے سے آگاہ فرمائیں۔

(۱)...... فقہی اجتماع کن کن عنوانات پر منعقد کی جائے۔

(۲)...... موزوں تاریخ اور مقام کے بارے میں رائے بھی طلب کی جائیں۔

(۳)...... اہل خیر حضرات سے مکمل تعاون کی درخواست کی جائیں۔

(۴)...... حکومتی اراکین سے سیکورٹی کے تمام تر انتظامات کی اپیل کی جائیں۔

رابطہ کے لئے درجہ ذیل اراکین سے رجوع فرمائیں!

نگران فقہی اجتماع ورئیس التحریر

مولانا سید نسیم علی شاہ الھاشمی موبائل نمبر: 0300-8337041

سرپرست: مولانا مفتی محمدانورشاہ مفتی جامعہ ھذا موبائل نمبر:0301-8070700

مولانا مفتی عظمت اللہ بنوی: 0300-9061816

ناظم مجلس التحقیق الفقہی جامعہ ھذا: 0333-3509970

ای میل: almubahisulislamia@yahoo.com

☆☆☆☆☆

مکالمہ بین المذاہب، مقصد اوراثرات تجزیہ

مولانا مفتی محمد رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

موڈریڈا، اسپین میں منعقد ہونے والے عالمی مکالمہ بین المذاہب کی بابت ایک عربی اخبار کی طرف سے سوالنامہ بھیجا گیا جو بعض مقامی علماء کرام کی وساطت سے ہم تک پہنچا، یہ تحریر اس سوالنامہ کا جواب ہے۔ گوکہ اس کی اشاعت کانفرنس منعقد ہو چکنے کے کئی روز بعد عمل میں آرہی ہے، تاہم اس کانفرنس کے ہر دو پہلوؤں کے اثرات دیرپا اور دوررس ہو سکتے ہیں، اس لئے قارئین کے مطالعہ کے لئے اس سوال وجواب کو شائع کیا جارہا ہے۔ (ابوالوفا لمشہدی)

خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ العزیز بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کی جانب سے موڈریڈ، اسپین میں مورخہ ۱۶/ تا ۱۸ جولائی ''عالمی بین المذاہب کانفرنس'' منعقد کی جارہی ہے، جس میں وہ بذاتِ خود اور اس کانفرنس میں مدعو مختلف الٰہی وسماوی ادیان اور عالمی سطح کی معتبر تہذیبوں وثقافتوں کے نمائندے بھی شرکت کریں گے۔

اس سلسلہ میں آنے والے سوالات کے جوابات غور طلب ہیں:

۱: بین المذاہب ہم آہنگی کی معاشرتی فکر پر اس کانفرنس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

۲: اس حوالہ سے جو کوشش اس سے قبل ہوئیں یا اب ہورہی ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ بالفاظ دیگر اس کے محرکات کیا ہو سکتے ہیں؟

۳: خادم حرمین شریفین کی طرف سے عالمی/ بین الاقوامی مکالموں کی طرف بڑھنے والے اس قدم کے بارے میں آپ کے احساسات ومشاہدات کیا ہیں۔

۴: غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلم اقلیتوں پر ان کانفرنسوں کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ مستفتی ندیم حامد العامد

القسم الاسلامی جریدۃ المدینۃ

''عالمی مکالمہ بین المذاہب'' کے اہداف اور مضمرات سے متعلق سوالات اور خدشات وتحفظات سے قبل بین الاالمذاہب تعلقات کی بابت چند اسلامی اصول ودفعات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ لامذہبیت اور دھریت کے علاوہ دنیا میں پائے جانے والے تقریباً تمام مذاہب من جانب اللہ ہونے کے مدعی ہیں اور دینِ اسلام، ٹھوس شہادتوں کے ذریعہ بعض ادیانِ سابقہ کے فی الجملہ صحیح اور من جانب اللہ ہونے کی جہاں تصدیق کرتا ہے اور اس تصدیق کو تسلیم بھی کیا جاتا ہے، وہاں اسلام یہ حقیقت بھی بیان کرتا ہے کہ گذشتہ ادیان بھیجنے والے رب کا اعلان ہے کہ اب قیامت تک بحیثیتِ دینِ الٰہی

اگر کوئی دین ہے تو صرف ''اسلام'' ہی ہے، سابقہ ادیان منسوخ ہیں، اس لئے پوری انسانیت کو چاہئے کہ وہ اپنے خالق کے اس اعلانِ حق کے مطابق دینِ حق (دین اسلام) کی پیروکار بن جائے، اگر کوئی انسان یا طبقہ اس حقیقت وحقانیت سے بے بہرہ رہنا چاہتا ہے تو اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ اس پر زبردستی مسلط نہیں کی جائے گی، بلکہ اسلام اپنے مخالف ومعاند کو فکری وعملی آزادی دینے کا روادار ہے قولہ تعالیٰ:

''لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم''. (بقرہ: ۲۵۶)

اور ارشاد ہے:

''الحق من ربک فلا تکونن من الممترین'' یعنی حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، اس معاملہ میں آپ کو ہرگز کسی قسم کے شک وشبہ کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ بیانِ حق کے بعد اسلام کا اپنے مخالفین کے اختلافِ رائے کو تسلیم اور برداشت کرنا اور انہیں حق کے لئے جبر واکراہ سے مستثنیٰ قرار دینا، اسلامی رواداری اور تحمل وبرداشت کا عنوان ہے، اس لئے ''مکالمہ بین المذاہب'' اگر باہمی رواداری، معاملہ اور اخوت انسانی کے قیام واحترام یا اظہارِ حق کے لئے ہو تو اس کے قابل ستائش ہونے میں بظاہر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس نوعیت کے معاملہ کا ثبوت سیرت طیبہ میں موجود ہے۔ حضور ﷺ کے پاس نجران کا وفد آیا جس میں عیسائیت کے جلیل القدر مذہبی پیشوا نمائندگی کر رہے تھے، اس وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی گفتگو تقابلِ ادیان ہی کے موضوع پر تھی، ان ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

''قل یااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ..... الآیۃ یعنی پُرامن بقاء باہمی اور حق وحقانیت کے قریب رہنے کے لئے تمام مذاہب کے مسلمات کو مکالمہ کی بنیاد بناتے ہوئے فکر وعمل کے دائرے کی وضاحت ہونی چاہئے، اس مکالمہ کی افادیت اسی صورت میں ممکن ہے جب ''حق'' واضح ہو جائے تو اسے قبول کرنے کا حوصلہ بھی ہو، اگر مکالمہ بین المذاہب تلاش حق کے طریق پر گامزن ہو اور ان کاوشوں میں مکالمہ کی افادیت مضمر ہو تو ایسا مکالمہ بین المذاہب نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ نہایت مستحسن اقدام ہوگا۔

۳۔ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا ''مداھنت فی الدین'' اور مذاہب کے دین وخلط سے پاک ہونا ضروری ہے، ایسی رواداری جو کلمۂ حق کہنے اور عام کرنے میں رکاوٹ بنتی ہو، یا بیانِ حق سے شخصیات یا دنیوی مفادات ومراعات، باز رہنے پر مجبور کرتی ہوں تو یہ رواداری نہیں بلکہ مداہنت فی الدین کہلائے گا جو کہ بنص قطعی حرام ہے، ''لو تدھن فیدھنون'' اگر رواداری دینیات میں دین وخلط کی فکر کی حامل ہو، یا ایسے نتائج پر منتج ہو تو یہ بھی بنص قطعی حرام ہے۔ ''نعبد اللہ یوماً وتعبد الھتنا یوماً'' کا نظریہ خالصۃً مشرکین مکہ کا ہے جسے ''سورۃ الکافرون'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح انداز میں رد فرمایا:

''قل یا ایھا الکافرون، لا اعبد ما تعبدون، ولا انتم عابدون ما اعبد، ولا انا عابد ما عبدتم، ولا انتم عابدون ما اعبد، لکم دینکم ولی دین''.

اس سورۃ مبارکہ سے بین المذاہب تعلقات کے حوالے سے یہ اصول مترشح ہوتا ہے کہ اسلام کے ساتھ کسی اور مذہب کو متوازی مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرنا، اسلامی نقطۂ نظر سے غلط اور باطل ہے، تعلقات بین المذاہب کے میدان ومجال میں مصروف کار مسلمانوں پر فرض ہے کہ اسلام کے اس واضح اصول کو لازماً ملحوظ خاطر رکھیں۔

۴۔ مذکورہ تمہیدی اصولوں پر ایک پہلو کا بطور شرط اضافہ بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ مکالمہ بین المذاہب کے عنوان سے منعقد ہونے والی مؤتمرات کو'' وحدتِ ادیان '' کی فکری تحریک کے مؤامرات اور مضر اثرات سے کلی طور پر محفوظ اور دور ہونا از حد ضروری ہے۔

آمدم برسرِ مطلب!

مذکورہ اصولی تمہید کے بعد سوال نامہ میں دریافت کئے گئے امور کی طرف آتے ہیں:

ا۔ بیان کردہ تمہید سے واضح ہے کہ اس قسم کے مکالمات اور مؤتمرات کے پس منظر اور حقائق ومضمرات کی تنقیح وتشخیص کے نتیجہ میں دو رائے قائم ہوسکتی ہیں، اگر ان مؤتمرات کے محرکات اور مضمرات دیانت پر مبنی ہوں اور اختتام وانجام تک دیانت وامانت کے تقاضے پورے ہوتے رہیں تو اس قسم کی مؤتمرات سے مختلف سماوی ادیان کے پیروکاروں کی فکری معاشرت پر مثبت ومفید اثرات پڑیں گے، اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے پوری دیانت کے ساتھ مذہبی رواداری کا مظاہرہ کریں تو اس سے باہمی مذہبی منافرت کم ہوگی اور وحدت انسانی کے عملی مظہر سے انسانی اقدار کو فروغ ملے گا، جس کے نتیجہ میں پُر امن بقائے باہمی کا معاشرتی نظام وجود پذیر ہوگا۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، یا ان مؤتمرات کے انعقاد میں دیانتدارانہ اسلامی فکر معدوم یا مغلوب ہو، یا غیر اسلامی بالادست قوتوں کے اہداف وعزائم ہی در پردہ اصل محرک ہوں تو انسانی معاشرے پر اس کے مضر اثرات کی حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ بالادست طاغوتی قوتیں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں دین اسلام سے متعلق مسلمانوں کے جذباتی ووالہانہ لگاؤ کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں، اس رکاوٹ کو راستہ سے ہٹانے کے لئے وہ روزِ اول سے کوشاں ہیں، مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے آرہے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے اتنا ہی تعلق ہونا چاہئے جتنا دیگر مسخ شدہ یا بے بنیاد ادیان کے پیروکاروں کا اپنے دین سے ہوتا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے فتنہ استشراق، فتنہ قادیانیت، فتنہ انکار حدیث جیسے حربے آزمائے گئے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اغیار کو خطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی اور تمام فتنے اپنے بلوں میں محصور ہونے پر مجبور ہوتے رہے، اب نیا حربہ یہ استعمال کیا جارہا ہے کہ کسی اسٹیج پر اہل حق اور اہل باطل کے چند منتخب لوگوں کو بٹھا کر مکالمہ کروایا جاتا ہے، اس مکالمہ میں حق وباطل کی تمیز اور حق کے اظہار کا موقع فراہم نہیں کیا جاتا، بلکہ اس مکالمہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق کے بارے میں اہل باطل کے شکوک وشبہات اور اعتراضات عام مسلمانوں تک پہنچ جائیں۔

چنانچہ ہم اپنے مشاہدہ کی روشنی میں عرض کرتے ہیں کہ جب سے مختلف ذرائع ابلاغ پر مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے مکالموں اور مباحثوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، ہمارے دارالافتاؤں میں ان موضوعات پر باہمی الجھاؤ والے مختلف سوالات آنے لگے ہیں، اور عوام

میں تشویش ناک حد تک بے چینی پائی جارہی ہے، اور ایسے ایسے دینی و مذہبی موضوعات جو خالصۃ علمی نوعیت کے ہیں اور ہر مکتب فکر کے علماء سے متعلق تھے، ایسے مسائل اب عوام کے زیر بحث آرہے ہیں جس کے نتیجے میں گالم گلوچ اور پھر جنگ وجدال کا طوفان بپا ہو جاتا ہے، ایسے کئی مسائل ومظاہر ہمارے سامنے آچکے ہیں۔

ہمارا یہ مشاہدہ ایک ملک کے بعض شہروں کی حد تک ہے، اگر اس نوعیت کے مسائل کو عالمی سطح پر موضوع بحث بنایا گیا تو سماجی ومعاشرتی امن وسکون بری طرح متاثر ہوگا اور ہر گھر میں تہذیبی جنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، تہذیبی جنگ اور فرقہ وارانہ فسادات جو اس وقت دنیا کے بعض خطوں تک محدود ہیں، رفتہ رفتہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائے گی اور اس کی خطورات ونزاکت کسی پر مخفی نہیں۔

۲۔ رہا یہ سوال کہ عالمی سطح پر مکالمہ بین المذاہب کی مساعی کے اصل محرکات کیا ہو سکتے ہیں؟ تو اس حوالہ سے ہم یہ غرض کریں گے کہ ہر کوشش کے محرکات، اس کوشش کے دائرے ہی میں تلاش ہونے چاہئیں، اگر یہ کوشش مقامی سطح پر ہو رہی ہو تو اس کے محرکات بھی مقامی سطح کے ہوں گے، اور اگر یہ کوشش بین الاقوامی سطح پر ہو رہی ہو تو اس کے محرکات بھی اسی دائرے اور نوعیت کے ہوں گے۔ ہر خاص وعام جانتا ہے کہ اس وقت اقوام عالم کا مذاہب کے بارے میں کیا نظریہ ہے، بالخصوص دینِ اسلام کے بارے میں اقوام عالم کی ہر بولنے والی زبان اور سوچنے والا دماغ کیا سوچ رکھتا ہے؟ ان کے مدمقابل ہمارے اسلامی سربراہوں کے معذرت خواہانہ رویئے اسلام کی خیر خواہی اور اسلام سے وابستگی کا کیسا اظہار کرتے ہیں؟ یہ سب عوامل ہمارے سامنے ہوں تو ہمیں اس نوعیت کی مؤتمرات کے عوامل داخلی کی بجائے خارجی، اور اس کے پشتیبان اپنی صفوں کے بجائے غیروں میں محسوس ہوتے ہیں، اس بناء پر مذکورہ نوعیت کی کانفرنسوں کے حوالے سے حد درجہ تشویش ہے کہ ان کانفرنسوں کے محرکات میں تقریب ادیان اور وحدت ادیان جیسے اسلام سے متصادم افکار کارفرمانہ ہوں، اس لئے کہ جو ادیان اپنی اصلی شناخت سے بالکلیہ محروم ہو چکے ہیں، جو اپنے مذہب کے نام کے علاوہ کسی مذہبی روایت کے اصل ہونے پر کسی قسم کی کوئی سند نہیں رکھتے وہ دین اسلام کے ساتھ مقابلہ اور مقارنہ کیسے کر سکتے ہیں، اس لئے دیگر ادیان کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مذہب اور دین کی حیثیت سے تسلیم کروانے کے لئے دین اسلام کے ساتھ اپنا قد کاٹھ برابر دکھائیں، اس کے انہیں دو فائدے ہوں گے:

۱:..... پہلا فائدہ یہ کہ دیگر مذاہب کی لامذہبیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دین اسلام کا رخ کرنے والی انسانیت کا سلسلہ تھم جائے گا، کیونکہ یہ کہا جا سکے گا کہ اسلامی دنیا میں دیگر مذاہب کو قابل قبول مذہب کا درجہ دیتی ہے۔

۲:..... دوسرا فائدہ یہ ہوگا اسلام اور لامذہبیت کے درمیان جو فاصلے ہیں وہ کم ہو جائیں گے اور تقریب ادیان کی عالمی ضرورت اقوام عالم کی خواہشات کے مطابق پوری ہو جائے گی، اور اس تقریب کا اگلا اسٹیج (لا سمح اللہ) وحدت ادیان کا ملغوبہ ہوگا، جو دھریت کی اجتماعی تصویر ہوگی۔

۳:..... جہاں تک ان کوششوں کی ظاہری تحریک میں مرکز اسلام، مملکت اسلامیہ سعودیہ عربیہ کے عالی قدر فرماں روا جناب شاہ عبداللہ

بن عبدالعزیز، خادم الحرمین الشریفین حفظہ اللہ کے نمایاں کردار کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ موصوف کی کوششوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا چاہیئے، ایک تو اس وجہ سے کہ مذہبی حوالے سے مملکت فاخرۃ، سعودیہ عربیہ کی مرکزیت، عطاء خداوندی ہے اور مذہبی ورفاہی خدمات کے تناظر میں اہل اسلام کو یہی حسن ظن رکھنا چاہئے کہ مذہبی حوالے سے عالمی سطح پر ہونے والی کاوشوں میں سعودیہ عربیہ کا کردار اپنی مرکزیت کی پاسداری اور مذہبی خدمات کے تسلسل پر مبنی ہوگا، مرکز اسلام، دین اسلام کے حوالے سے کسی منفی کاوش کا محور تو کجا، حصہ بھی نہیں بن سکتا۔

دوسرا یہ کہ سعودی فرمانروائی درحقیقت اسلام کی نگہبانی وترجمانی کا نام ہے، وہ اپنے آپ کو بادشاہ یا رئیس کہلانے کی بجائے خادم الحرمین الشریفین کہلاتی ہے، جو ان کے مذہبی تصلب کی ایسی روشن دلیل ہے جس سے ہر انسان واقف ہے، اس لئے اہل اسلام کو یہ سمجھنا اور سوچنا چاہئے کہ جن حضرات پر اسلام کی نگہبانی اور ترجمانی کی ذمہ داری اول وہلہ میں عائد ہوتی ہو تو یقیناً اپنے فرض منصبی سے باخبر اور دین اسلام کے مخالف منفی رویوں سے خبردار ہوں گے۔

البتہ اہل اسلام کے اس حسن ظن کو تقویت پہنچانے کے لئے خادم الحرمین الشریفین پر عالمی مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے دو اضافی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، کیونکہ موصوف ان مذہبی مکالمات میں بھی مرکزی ونمایاں شخصیت کے مقام پر فائز ہیں۔

۱:.....ایک یہ کہ ان مکالمات میں دینِ اسلام کی حقیقی تصویر پیش ہو، بین المذاہب رواداری، مداہنت فی الدین کے زمرے میں نہ آئے اور اسلام کی ایسی تصویر، تعبیر اور تشریح ہرگز پیش نہ کی جائے جس سے اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان نمایاں امتیاز مدہم پڑ جائے، اور مذاہب کے درمیان پر تو کوئی اثر انہیں پڑے گا، البتہ اسے اسلام کا حلیہ بدلنے کی کوشش اور دین اسلام کے ہدم ومسخ پر مبنی اقدام کہا جائے گا۔

۲:.....دوسرے یہ کہ نجرانی وفد کے بین المذاہب مکالمہ کے دوران حضور ﷺ کا جو اسوۂ حسنہ حدیث وسیرت میں ملتا ہے، ان مکالمات کے دوران وہ اسوۂ حسنہ ہمارے خادم الحرمین الشریفین کے سامنے ہونا چاہئے، بالخصوص اس مکالمہ کی دو نمایاں خصوصیات ملحوظ ہونی چاہیں:

پہلی خصوصیات جس کی طرف اوپر بھی اشارہ ہوا کہ احقاقِ حق اور ابطال باطل میں ذرہ بھر کسر نہ چھوڑی جائے۔

دوسری خصوصیات یہ کہ حق عیاں ہونے کے بعد خادم الحرمین الشریفین بحیثیت منتظم اعلیٰ اور رئیس المجالس اظہار حق کی ذمہ داری بھی نبھائیں اور ظہور حق کے بعد تمام شرکاء مجالس کو دین اسلام کی کھلے عام دعوت دیں اور اس دعوت کے لئے اور احقاق حق کے لئے ہر مناسب طریقہ اختیار کریں، تاکہ اہل باطل پر اتمام حجت ہو جائے، جیسے وفد نجران کے ساتھ حضور ﷺ کا مکالمہ مباہلہ کے چیلنج پر ختم ہوا تھا، مباہلہ ظاہر ہے کہ جان سے گزرنے اور گزارنے کا راستہ ہے۔

"خادم الامة الاسلامية والحرمين الشريفين". اگر امت مسلمہ کو یہ یقین دہانی کراتے ہیں اور ضمانت دیتے ہیں کہ وہ "عالمی بین المذاہب مکالمات" کے محرک ومنتظم ہوتے ہوئے اپنی ان اضافی ذمہ داریوں کو بھی فرض منصبی کی حیثیت سے پورا کریں گے تو امت مسلمہ کو چاہئے کہ وہ ان کوششوں کو سراہے اور کسی قسم کے شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہو، بصورت دیگر ہر آزاد انسان اپنی رائے کے

اظہار میں آزاد ہے اور یہ آزادی اس کا شرعی و قانونی حق ہے۔

۴:.....غیر اسلامی ممالک کی مسلم اقلیتوں پر ان کانفرنسوں کے جو اثرات پڑیں گے، اس کے بھی دو پہلو ہو سکتے ہیں۔

اگر یہ کانفرسیں اسلامی تقاضوں کی رعایت کے ساتھ کوئی جامع انسانی ضابطہ اخلاق و عمل طے کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو اس کے نتائج و اثرات ہر ملک کی اقلیتوں کے حق میں انتہائی مفید ہو سکتے ہیں اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس رہا تو اس کے مضر اثرات سے نہ مسلم اقلیتیں محفوظ رہیں گی نہ مسلم اکثریتیں، بلکہ ہر جگہ انارکی پھیلے گی، لوگ پہلے مذاہب کو موضوع بحث بناتے ہوئے اسے لہو ولعب کا ذریعہ بنائیں گے، پھر شر انگیزیاں عام ہوں گی، قانون کا تعطل اور لاقانونیت کا دور دورہ ہوگا۔ اور ایسی جنگ و جدال کا اندیشہ ہے جس سے معاشرے کا کوئی بھی طبقہ محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

'' اللهم اهدنا فيمن هديت وارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

فقط والله اعلم!

قارئین حضرات کے لئے خوشخبری

جامعہ المرکز الاسلامی کی شاندار علمی تحفہ

کتاب: '' تذکرہ وسوانح عمری ''

جامع الفقهاء والعلماء مولانا سيد نصيب على شاه الهاشمي نور الله مرقده'

اس کتاب میں ان مقالات، مضامین کو ترتیب دیا گیا ہے جو کہ خدمات کانفرنس بمورخہ 22 جنوری 2007ء میں پیش کئے گئے تھے۔

یہ مقالات حضرت شاہ صاحب مرحوم کی 53 سالہ جملہ خدمات پر شاہد ہیں۔

قارئین حضرات اپنے لئے کاپی محفوظ کرنے کے لئے دفتر المباحث الاسلامیہ سے رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: ناظم دفتر مجلس التحقیق الفقهی

جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان ڈیرہ روڈ بنوں

فون: 0928-331353 فیکس: 331355

ای میل: almubahisulislamia@yahoo.com

☆☆☆☆☆

حکومت اور حقوق کے بارے میں قرآنی تصور

پروفیسر گل قدیم جان

اسسٹنٹ شعبہ اسلامیات، و ینسم کالج گومل یونیورسٹی

خلاصہ(ABSTRACT):

آج کے دور میں حقوق انسانی کا موضوع کافی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔مختلف تنظیمیں حقوق انسانی کے تحفظ کیلئے کام کرنے کی دعویدار ہیں مختلف رپورٹیں ہر سال شائع کی جاتی ہے۔لیکن بنی نوع انسان کے حقوق پھر بھی غاصبوں کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ایسا کیوں ہو رہا ہے؟اس لئے کہ انسان ان عوامل سے بے خبر ہے جو حقوق انسانی کے تحفظ کیلئے کارگر ہیں۔انسانوں نے اپنے جیسے انسانوں کو حاکم مطلق بنایا ہے۔جس کے نتیجے میں ہر انسان بے راہ روی کا شکار ہے۔قرآن کریم بنی نوع انسان کی راہ نمائی کر کے واضح طور پر بتا رہا ہے کہ حاکم مطلق یعنی مقتدرِ اعلیٰ، اللہ کی ذات ہے اس کو حاکم مطلق مان کر اس کے احکامات کی فرمانبرداری کرنے سے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود یقینی ہے مغربی مفکرین نے مقتدر اعلیٰ کیلئے جو خصوصیات بیان کی ہیں اس جیسی ہستی انسانوں یا دیگر مخلوقات میں نہیں ہیں۔ بلکہ مقتدر اعلیٰ کی جملہ اوصاف کی حامل ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باقی تمام انسان اس قادر مطلق ذات کے سامنے اپنے اعمال وافعال کیلئے جواب دہ ہیں اور یہی جواب دہی کا احساس حقوق انسانی کا زبردست محافظ ہے۔

تعارف:

انسانیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں کہ دنیا میں سینکڑوں انقلابات حقوق کے نام پر رونما ہوئے لاتعداد جنگیں حقوق کی حفاظت کی خاطر بھڑکائی گئیں بے شمار بغاوتوں کیلئے حقوق کو آڑ بنایا گیا۔لاتعداد آزاد منش لوگ اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے لیکن ہر زمانے میں، ہر انقلاب، جنگ، اور بغاوت کے بعد حقوق انسانی کو پھر وہی حشر دیکھنا پڑتا جو انقلاب سے پہلے ہوتا تھا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزاد پیدا کیا ہے اور انسانیت کی پوری تاریخ آزادی کیلئے آرزو، آزادی کیلئے جدوجہد اور آزادی کو برقرار رکھنے سے عبارت ہے لیکن پھر بھی انسانی حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور حریت فکر اور آزادی اظہار رائے پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں۔آخر حقوق انسانی کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوتا رہا ہے؟انسان دیگر انسانوں کے حقوق غصب کرنے پر کیوں تلا ہوا ہے؟تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ وہ کون سے وجوہات ہیں کہ حقوق انسانی کے نام پر برپا ہونے والے انقلابات، جنگوں اور بغاوتوں کے بعد بھی حقوق کی حفاظت نہ ہو سکی۔اگر ہم وسیع القلبی سے کام لیں تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دراصل ہر انقلاب میں وہ عناصر اور عوامل موجود ہی نہیں ہوتے جو حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے کارگر ثابت ہو سکتے ہوں بلکہ

انسان کی ان عوامل اور عناصر سے عدم واقفیت اور لاعلمی ہی تھی جس کی بنا پر ان کے انقلابات حقوق انسانی کے تحفظ کے سلسلے میں ناکام رہے۔ یہ شرف صرف اسلامی نظام کو حاصل ہے کہ انسانوں کی رہنمائی اس نہج پر کرتا ہے کہ حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے جن عوامل اور عناصر کی ضرورت ہے وہ اس کا یقین اور ایمان بن جاتے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے اردگرد کے ماحول سے الگ ہو کر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی حقوق کے سلسلے میں انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ، ان کی فہرستوں کی تیاری، ملک کے آئین میں ان کا اندراج، علمی منشور و اعلانات کا اجراء اور یوم حقوق انسانی کا انعقاد نہیں، بلکہ جن حقوق کو انسانی حقوق شمار اور تسلیم کیا جا رہا ہے انہیں غاضبوں کے ہاتھوں غصب ہونے یا پاؤں تلے روندے جانے سے محفوظ رکھنے کا ہے۔ قرآن کریم نے انسانیت کی رہنمائی جس طرز حیات کی طرف کی اس میں امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ کوئی بھی حکم تحریر کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ عملی لحاظ سے بھی جاری و ساری رہے اس لئے حقوق انسانی کے سلسلے میں بھی صرف فہرستیں تیار کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کیلئے موثر اور مستحکم تحفظات مہیا کئے گئے۔ ان تحفظات میں سے ایک اہم عنصر یہ ہے کہ قرآن کریم نے حاکمیت کا صحیح تصور بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا ہے لیکن قرآنی تصور حاکمیت پیش کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ کا مفہوم، مغربی مفکرین کی آراء اور اس کا تجزیہ پیش کیا جائے۔

اقتدار اعلیٰ کا مفہوم:

ریاست کے اہم لوازمات میں سے اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت اعلیٰ کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے اور جدید سیاسی تصورات میں بہت اہمیت کا حامل ہے لفظ اقتدار اعلیٰ لاطینی زبان کے لفظ 'Superanus' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہے 'Supreme' یعنی برتر۔ انگریزی میں اس کا مترادف لفظ 'Sovereingnty' ہے چنانچہ ریاست کی 'Sovereingnty' سے مراد برتری یا حاکمیت ہے یہ ایسی برتر طاقت ہے جس سے ہر کام سرانجام دیا سکتا ہے کہ اس کی طاقت سے برتر و بالا کوئی اور طاقت نہیں ہے اور نہ ہی اقتدار اعلیٰ کسی دوسری طاقت کے تابع ہوتا ہے! پس اقتدار اعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ اختیار ہے جس کی بنا پر وہ قانون کا موثر طور پر نفاذ کرتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں طاقت استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہے اسی خصوصیت کی بناء پر ریاست کی منشاء اور احکام کو تمام افراد اور دیگر اداروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

مغربی مفکرین کے ہاں اقتدار اعلیٰ کی تعریف:

مغربی مفکرین نے اقتدار اعلیٰ کی مختلف تعریفیں کی ہیں فرانسیسی مفکر جین بوڈن 'Jean Boden' نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

Supreme power over citizens and subjects unrestrained by law.۲

اقتدار اعلیٰ شہریوں پر وہ اعلی اختیار ہے جو قانون کا پابند نہ ہو' ہوگو گروشس 'Hugo Grotius' اقتدار اعلیٰ کے بارے میں رقم طراز ہے۔

The supreme political power vested in him whose acts are not subject to any other and whose will cannot be ovrrridden .۳

اقتدار ایسا برتر سیاسی اختیار ہے جو کسی ایسے فرد یا شخص کے پاس ہو جس کے افعال کسی دوسرے کے ماتحت نہ ہوں اور جس کی منشاء کو نظر انداز نہ کیا جا سکے' پروفیسر جیس' ایک امریکن مصنف' اقتدار اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

Original absolute power over the individual subject and over all associations of subject.۴

اقتدار اعلیٰ شہریوں اور تمام انجمنوں پر ابدی مطلق العنان اور ہمہ گیر اختیار کا نام ہے' پروفیسر برجیس مزید لکھتا ہے۔

Thet sovereingnty is the underved and independent power to command and compel obedience.۵

اقتدار اعلیٰ ایسا کامل اختیار ہے جس کا دائرہ عمل متعین ہے اور جس کے پاس اپنے احکامات منوانے کی قوت موجود ہوتی ہے''لیون ڈیوگائٹ (Laon Duguit) فرانسیسی مفکر نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف اس انداز سے کی ہے۔''

Sovereignty is the commanding power of the state ,it is the will of the nation orhanisend in the right to give unconditional order to all individual in the territory of the state.۶

اقتدار اعلیٰ ریاست کی حکمران طاقت ہے یہ قومی منشا ہے جو ریاست میں منظم ہوتی ہے یہ وہ طاقت ہے جو ریاست کے حدود میں تمام افراد کو غیر مشروط حکم دے''جان اسٹن''john Austin''ایک افادیت پسند انگریز قانون دان اقتدار اعلیٰ کی تعریف اس انداز سے کرتا ہے۔

If determinate human superior,not in the habit of obedience to a like superior receives habitual obedience, from the bulk of a given society, that deteriminate human superior is sovereing in that society, and that society (including the superior) is a society political and independent.۷

اگر کوئی مخصوص صاحب اقتدار شخص یا فرد کسی اپنے جیسے صاحب اقتدار فرد کی اطاعت گذاری نہ کرتا ہو اور معاشرے کی واضح اکثریت اس